

سیاست کے غیر اسلامی نظریات

غیر اسلامی ریاست کی تاریخ | اسلامی مملکت اور غیر اسلامی مملکت کا اختلاف جس طرح دونوں کی روح اور شکل میں ہے اسی طرح دونوں کی تاریخ میں بھی ہے۔ اسلامی ریاست کی ابتدا تو نوع انسانی کی ابتدا کے ساتھ ہوئی مگر غیر اسلامی ریاست کی ابتدا اس کے بہت بعد ہوئی۔ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام اولین خلیفۃ اللہ فی الارض ہیں مگر اس زمانہ میں غیر اسلامی ریاست کا تصور بھی کسی کے ذہن میں نہیں پیدا ہوا تھا۔ رفتہ رفتہ جب افراد انسانی کی کثرت ہوئی اور بہت سے افراد حضرت آدم کے فیوض صحبت سے دور ہو کر حیوانی ماحول میں جا کر نفس اور وساوس شیطانی سے مغلوب ہوئے تو اللہ رب العالمین سے بغاوت اور اس کے احکامات سے تباہی اپنے نفس کی اتباع اور اپنی حکومت و فرمانروائی کا تصور پیدا ہوا۔ تعلیمات الہیہ سے کان بند کرنے کے بعد طبقات کی نظر کائنات پر اسلامی اور انسانی زاویہ کے بجائے حیوانی زاویہ سے پڑنے لگی اور وہ یہ سمجھنے لگے کہ کائنات میں جو کچھ ہے وہ ہماری ملک ہے اس میں جس نوع کا تصرف ہم چاہیں کریں کسی طاقت کو یہ حق حاصل نہیں کہ ہمارے تصرفات کے لئے کوئی قانون مقرر کرے۔ ہماری مرضی اور خواہش ہی اس کا قانون ہے۔ غیر اسلامی ریاست کی ابتدا اسی تصور سے ہوتی ہے۔

مگر انسان کو اپنی کمزوری خود محسوس ہوتی تھی اور وہ باوجود کوشش اس فطری تصور کو اپنے ذہن سے کلیتہً محو کر دینے پر قادر نہ تھا کہ اقدار اعلیٰ اس کے لئے نہیں ہے اس لئے وہ کبھی اقدار اعلیٰ کو پہاڑوں اور دریاؤں کے لئے ثابت کرتا تھا اور کبھی چاند سورج اور ستاروں کے لئے حق تھا۔ اسے اقدار اعلیٰ کی نفی کرنے کے بعد اس نے یہ تحفہ کائنات کے ذرے ذرے کے اگے پیش کیا۔ لیکن جس قدر اس کی عقل ترقی کرتی گئی اسے محسوس ہوتا گیا کہ اس کے اس تحفہ کو کوئی بھی قبول کرنے کے لئے تیار نہیں اور کائنات کا کوئی فرد اس کے لائق ہے۔ آخر کار اس نے پھر اس

چیز کو اپنے نفس کے سامنے پیش کیا مگر اس کا نفس بھی اس بار کے اٹھانے سے ابا کرتا نظر آیا اب تک وہ اس کشمکش میں مبتلا ہے کہ اقتدار اعلیٰ کس کے لئے ثابت کرے۔ موجودہ دور اسی کشمکش کا دور ہے جس میں انسان و انسانیت کے لئے امن و امان ایک ایسا خواب بن گیا ہے جس کی تعبیر محال نظر آتی ہے۔

غیر اللہ کی فرمانروائی و حاکمیت کا نظریہ سب غیر اسلامی سیاسی نظریات کا بنیادی تصور اور سب میں قدر مشترک ہے۔ یہ مختلف زبانوں میں مختلف صورتوں میں ظہور پذیر ہوتا رہا۔ لیکن اس کی حقیقی صورت اتباع نفس اور طبعی خواہشوں کی حاکمیت کا اقرار تھی جو آج بھی موجود ہے اس میں وسعت اور پھیلاؤ زیادہ ہوتا گیا لیکن اصل شے میں کوئی تغیر نہیں ہوا۔ اتباع نفس کا تصور ایک ایسا تصور ہے کہ جو عقلی منہاج پر پیدا نہیں ہو سکتا بلکہ صرف طبعی اور حیوانی رنج و طریق سے پیدا ہوتا ہے اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ غیر اسلامی ریاست و حکومت کا انشور و ارتقاء عقلی اصول پر نہیں ہوا بلکہ فاعلاً طبعی اصول و قوانین پر ہوا ہے۔ بخلاف اس کے اسلامی ریاست کا ارتقاء فاعلاً عقلی بنیادوں پر اور عقلیت کے ارتقاء کے دوش بدوش ہوا ہے جس طرح متعفن اشیاء میں کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں جس طرح تیز و تند ہواؤں کے چلنے سے ریگ کے تودے کھڑے ہو جاتے ہیں جس طرح بکریوں اور بھیڑوں کے گلے بن جاتے ہیں بالکل انہیں طبعی اصول پر غیر اسلامی ریاست کی بنیاد بھی پڑی۔ خواہشوں کی فردوانی دشمنوں کا خوف، امانت و امداد باہمی کی حاجت نے مل کر پہلے خاندان یعنی سب سے چھوٹی ریاست کی بنیاد رکھی۔ پھر احتیاج میں زیادتی تعاون کے حدود بھی وسیع کرتی گئی اور قبیلہ کا وجود ہوا یعنی ریاست نے ارتقاء کی جانب پہلا قدم بڑھایا۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ غیر اسلامی ریاست کی موجودہ شکلیں ظہور پذیر ہوئیں۔ اس امر پر سب فلاسفہ کا اتفاق ہے کہ ریاست کی بنیاد افراد کی باہمی احتیاجات پر قائم ہے جو خواہشوں اور جذبات کی ذہین منت ہیں یعنی غیر اسلامی مملکت کا عقلی اساس کے بجائے حیوانی طبعی اور جذباتی اساس پر مبنی ہوتا ان سب لوگوں کو تسلیم ہے نظریۂ ارتقاء نے اس خیال کو اور بھی تقویت دی اور اس کی تشریح میں مملکت کے ارتقاء کو حجم فانی کے طبعی ارتقاء کے بالکل مشابہہ اور مماثل ثابت کیا گیا۔ روسو نے اس پر اتنا اضافہ کیا کہ مملکت کا وجود حاجت

و ضرورت ہی کا دہن منت ہے مگر اس چیز نے ریاست کی شکل نہیں بتائی ہے بلکہ اس کی ضرورت پیدا کی ہے اس کی شکل کے وجود کا سبب ایک معاشری معاہدہ (SOCIAL CONTRACT) ہے جو غیر قوی صورت میں طبعی طور پر فرمانروا اور رعایا کے درمیان ہو جاتا ہے اور جس کی رو سے فرمانروا کو بعض حقوق مل جاتے ہیں اور بعض ذمہ داریاں اس پر ڈال دی جاتی ہیں۔ روسو کے مابعد زمانہ میں اس کے اس نظریہ نے خاصی مقبولیت حاصل کی اور موجودہ جمہوریت کی بنیاد بھی درحقیقت اسی نظریہ سے پڑی ہے۔ روسو جس کا بانی سمجھا جاتا ہے۔

مارکس نے اس چیز کو واضح کر دیا کہ ریاست کی بنیاد طبعی طور پر معاشری ضروریات پر قائم ہے اور درحقیقت ریاست کے کل امور کا محور معاشیات کو ہونا چاہیے۔ یہ درحقیقت مارکس کی کوئی جدت طرازی نہ تھی بلکہ جہاں تک غیر اسلامی ریاستوں کا تعلق ہے واقعات کی ترجمانی تھی۔ اس کے اس نظریہ نے ریاست کے تصور میں بھی ایک انقلاب پیدا کیا اور سیاسی جمہوریت کو معاشی جمہوریت کے ساتھ آمیز کر کے اشتراکی ریاست کی بنیاد ڈالی۔

موجودہ سیاسی نظریات | اسلامی مملکت اور غیر اسلامی مملکت کا یہ تاریخی اختلاف اس چیز کو واضح کر رہا ہے کہ دونوں میں کسی مقام پر موانعت و اتحاد ہونا غیر ممکن ہے۔ دونوں کی روح جدا دونوں کے اساسی تصورات جدا، دونوں کی شکلیں اور صورتیں جدا، پھر ان میں اتحاد کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے؟ اسلامی ریاست اور خلافت الہیہ کا اساسی تصور یہ ہے کہ اقتدار اعلیٰ اور فرمانروائی محض اللہ کے لئے ثابت ہے اور کسی غیر اللہ کے لئے ثابت نہیں۔

لے دراصل روسو کا یہ خیال اس وقت کے نفسیاتی ماحول کا اثر تھا۔ ۱۰ اسلام نے قیام حکومت کا طریقہ معاہدہ رحیمیت کو مقرر کیا ہے۔ اس اعلیٰ طریقہ کے اعلیٰ اثرات کا اس نے شہادہ کیا۔ نیز اس امر کا شہادہ کیا کہ اسلام کے اعلیٰ طریقہ حکومت کی خوبی کا اعتراف عیسائیوں کو بھی کر رہی ہے۔ ان چیزوں نے اس کو اس اسلامی خیال کے مرتقا ناقص پر آمادہ کیا۔ وہ بیت کا مکمل تصور تو ذہن میں رکت فہم اور فقہان ایمان کی وجہ سے، قائم ذکر سائیکس اس کا ناقص تصور لے آ رہا اور اس کو دنیا کے سامنے پیش کیا۔ یورپ کی حیوانی دنیا میں ناقص تصور کو بھی غنیمت سمجھا گیا اور ایک عجیب غریب شے سمجھ کر بہت زیادہ ببول کیا گیا۔ لیکن ناقص بہر حال ناقص ہے۔ اس سے فائدہ سے زیادہ نقصانات پہنچے۔

روسو کے اس نظریہ میں کوئی حد نہیں ہے بلکہ جس حد تک آج مسلمان بھی اس کو ایک انوکھی شے سمجھ کر اس کے دلدادہ ہو رہے ہیں۔

بجلاف اس کے غیر اسلامی مملکت کی بنیادیں غیر اللہ کی فرما زوائی کا اثبات اور اللہ کی فرما زوائی کی نفی پر قائم ہے خلافت الہیہ کا تصور انسان کو پاک و ممتاز نہیں بلکہ اللہ کا نائب و خلیفہ قرار دیتا ہے۔ اس طرح اس کے مرتبہ کو ایک ترقی یافتہ حیوان سے کہیں بالاتر اور کائنات میں سب سے بلند و برتر قرار دیتا ہے لیکن غیر اسلامی ریاست کی ابتدا ہی اس تجمل سے ہوتی ہے کہ انسان ایک ترقی یافتہ حیوان ہے۔

مندرجہ بالا بنیادی امور _____ ہر غیر اسلامی ریاست

میں مشترک ہیں اس لئے اب درحقیقت اس کی حاجت نہیں ہے کہ ہم ریاست در ریاست کے مختلف نظریات پر علیحدہ علیحدہ بحث کریں لیکن ایسا کرنا مزید وضاحت کا سبب ضرور ہوگا اس لئے ذیل میں ہم ان غیر اسلامی سیاسی نظریات پر علیحدہ علیحدہ بھی تنقیدی نظر ڈالتے ہیں مملکت در ریاست کے قدیم تحلیلات پر نظر ڈالنا اس وقت لا حاصل ہے ہم صرف ان نظریات پر بحث کرتے ہیں جو اس وقت موجود ہیں تاہم تنقید کا جو طرز ہم نے سطو ذیل میں اختیار کیا ہے اس کی زوریات کے ہر غیر اسلامی نظریہ پر پڑتی ہے خواہ وہ اس وقت موجود ہو یا نہ ہو۔ خاص سیاسی نقطہ نظر سے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مملکت کا جزو اعظم فرما زوا ہے۔ اسی کی تقسیم کے اختلاف سے ریاست کے تجمل میں تیز واقع ہو جاتا ہے اور اسی کے لحاظ سے ریاست کی مختلف قسمیں نکلتی ہیں غیر اللہ کی فرما زوائی کے لحاظ سے جب ہم مملکت در ریاست کی تقسیم کرتے ہیں تو عموماً دو قسم کی ریاستیں نکلتی ہیں اول وہ جن میں شخصی اور انفرادی ارادہ

(INDIVIDUAL WILL) کو فرما زوا اور مقتدر اعلیٰ (SOVEREIGN) قرار دیا جاتا ہے۔

دوسری وہ ہیں جن میں اجتماعی ارادہ (GENERAL WILL) کو مقتدر اعلیٰ تسلیم کیا جاتا ہے۔

اول الذکر کو شخصی ریاست (MONARCHY) کہا جاتا ہے اور ثانی الذکر کی اجتماعی ارادے کے طریق

ظہور کے لحاظ سے پھر دو قسمیں ہو جاتی ہیں پہلی قسم یہ ہے کہ اس میں اس ارادہ کا ظہور کسی جماعت

کے ذریعہ سے ہو اس کو جمہوریت (DEMOCRACY) کہتے ہیں اور دوسری قسم وہ ہے جس

میں اس کا ظہور کسی فرد واحد کے ذریعہ سے ہوتا ہے اس کو آمریت (DICTATORSHIP)

شخصیت شخصی طرز حکومت پر بحث کرنے کی چندان ضرورت نہیں۔ اس کے معائب سے دنیا بخوبی واقف ہو چکی ہے اور عقلائے عالم میں سے شاید ایک بھی ایسا نہ نکلے جو اس کو پسند کرتا ہو۔ تاہم مختصر بحث خالی الزامہ نہیں۔

آزادی قانون کا جوہر ہے۔ قانون اگر آزاد نہ ہو تو اس کا صحیح فائدہ نہیں حاصل ہو سکتا۔ قانون سازی اور نفاذ قانون دونوں امور کا ایک شخص کے ہاتھ میں ہونا قانون کی آزادی وغیرہ جانبداری کا گلا گھونٹ دیتا ہے۔ قانون نافذ کرنے والا جب قانون وضع کرتا ہے تو اس میں اپنے مصالح اور اپنی سہولتوں کا زیادہ لحاظ رکھتا ہے جس سے اکثر اوقات عدل و انصاف کا حصول ناممکن ہو جاتا ہے۔ شخصی حکومتوں میں اس کے نظائر بکثرت دیکھے جا چکے ہیں اور آج بھی جہاں شخصی حکومتیں قائم ہیں وہاں اس کی نظیریں بکثرت ملتی ہیں۔

اس قسم کی حکومتوں میں حکمرانی بے محنت و مشقت اور بلا شرط صلاحیت کا حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے بادشاہوں کو اس کی صلاحیت حاصل کرنے کی کوئی فکر نہیں ہوتی۔ عموماً تخت و تاج کے مالک وہ اشخاص ہوتے ہیں جو اس کام کی قطعاً صلاحیت نہیں رکھتے جس کا نتیجہ رعایا کی پریشانی و تباہی کی صورت میں نکلتا ہے۔

رعایا کے اخلاق و نفسیات پر اس طرز حکومت کا بہت تباہ کن اثر پڑتا ہے۔ ان میں اپنی طاقت و قوت کا احساس مفقود ہو جاتا ہے۔ غلامانہ اور پست ذہنیت ان کے لئے لازم ہو جاتی ہے۔ ترقی و عروج کی انگ ختم ہو جاتی ہے۔ خودداری کا جوہر فنا ہو جاتا ہے۔ ذلت و کمالت کو وہ خوش اخلاقی سمجھنے لگتے ہیں اور حق گوئی، حق پسندی، حمایت حق کے جذبات ان میں مردہ پڑ جاتے ہیں۔ یہ چیزیں انسان کی ترقی و دنیا و آخرت کے لئے جس قدر مضرت رساں ہیں وہ ظاہر ہیں۔

اس نظریہ میں سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ اس کی کوئی عقلی و اخلاقی بنیاد نہیں ہے۔ سوا طاقت و قوت کے اور کیا چیز ہے جو ایک فرد کے انفرادی ارادے کو ایک جماعت پر مسلط کر دینے کو حق سمجھتا ہے؟ پھر کیا یہ ظلم نہیں؟ کیا اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ حق اور طاقت کے مابین جتنا فرق ہو، اتنا ہی ظلم و ستم ہو؟ اگر اس کو مراد قرار دینا انسان و

انسانیت پر انتہائی مظلم اور عقل و اخلاق سے مکمل بے تعلقی کا ثبوت نہیں ہے؟ دوسری چیز جو اس احمقانہ نظریہ کی بنیاد ہو سکتی ہے رسم پرستی ہے۔ یہ بنیاد خود جس قدر احمقانہ، جاہلانہ، ظالمانہ اور حیوانی ہے وہ ظاہر ہے لیکن عجیب بات یہ ہے کہ یہی وہ تنکا ہے جس کا سہارا ڈبوتی ہوئی شاہیت اب بھی کبھی کبھی لیتی ہے۔

یہ جو کچھ عرض کیا گیا۔ اس بادشاہی کے متعلق ہے جو دین حق کی رہنمائی سے محروم ہو رہی اگر اسلامی آئین و قوانین کی پابندی و راہبری کے ساتھ بادشاہی قائم ہو تو وہ ان معائب سے پاک ہوگی اور اس کے قیام میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اسلامی بادشاہی کا مطلب یہ ہے کہ خلافت اور سربراہی مملکت کو کسی مخصوص خاندان کے ساتھ مخصوص کر دیا جائے اور سربراہ مملکت کا انتخاب پوری قوم میں سے کرنے کے بجائے صرف ایک خاندان سے کیا جائے۔ مگر نظام سلطنت وہی رہے جس کی تعلیم اسلام نے دی ہے۔

آمریت | زمانہ قدیم کی مطلق العنان بادشاہی اور جمہوریت کے مجموعہ کا نام آمریت ہے۔ اس لئے یہ دونوں کے معائب کی حامل ہے۔ بادشاہی کے معائب کا اقرار تو اب ہر شخص کو ہے اور جمہوریت کے عیوب انشاء اللہ آئندہ مسطور میں تحریر کئے جائیں گے۔ حیرت ان مدعیان عقل و دانش پر ہے جو ایک طرف آمریت کے ایسے نبل نظریہ کو تسلیم کرتے ہیں اور دوسری طرف اس کے بھی مدعی ہیں کہ ہم انسانیت کی قدر و قیمت پہنچاتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر انسانیت کی توہین اور کیا ہو سکتی ہے کہ انسانوں کی ایک بہت بڑی جماعت خود اپنے ہی ایسے ایک انسان کے ہاتھ میں بالکل اپنی باگین دے دے

چونکہ آمریت عقل و فطرت کے خلاف چیز ہے اس لئے یہ کبھی معمولی حالت میں نہیں پیدا ہوتی بلکہ ان غیر معمولی حالات میں پیدا ہوتی ہے جب کہ سائب کے کسی شدید حملے نے کسی قوم کے دماغی توازن کو بگاڑ دیا ہو ایسے موقع پر اگر کوئی ہوشیار آدمی موجود ہوتا ہے تو وہ قوم کی بدحواسی سے فائدہ اٹھا کر نام جذبات میں اشتعال پیدا کرتا ہے۔ میدانوں کے سرباز باغ دکھاتا ہے اور اس طرح ان کی توجہات کو اپنے ہوشیار آدمی کے ہاتھ میں اتار مار حاصل کر لیتا ہے اس کے ساتھ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اگر قوم کے حواس بجا ہو گئے اور اسے سوچنے کی مہلت

مل گئی تو اس کی امارت ختم ہو جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ ہر امر اپنے اقتدار کو برقرار رکھنے کے لئے پیہم پیمانہ انجینز کا رد و انجیاں کرتا رہتا ہے تاکہ اس کی قوم کو کبھی سکون قلب کے ساتھ غور و فکر کا موقع ہی نہ ملے اور یہی وجہ ہے کہ دنیا کے سب ڈکٹینٹروں کی تاریخ خور یزیوں اور جنگ آزمائشوں سے بھری ہوئی نظر آتی ہے۔ اس کا نتیجہ علاوہ خوریزی بدامنی اور بے اطمینانی کے یہ بھی ہوتا ہے کہ سوسائٹی میں عقل سلیم کا نشوونما رک جاتا ہے اور لوگوں میں اس کی صلاحیت ہی نہیں رہتی کہ معاملات پر غندے دل سے غور و فکر کر سکیں۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں جماعت کی فکری ہی نہیں بلکہ اخلاقی زندگی بھی تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔ علاوہ بریں نظام آمریت میں جماعت کا اخلاق غفنی اخلاق کے تابع ہو کر غفنی ہو جاتا ہے اور اس میں مرث امر کی زندگی کا ناما با خلق غالب ہو جاتا ہے حالانکہ قوام تمدن اور مزاج تہذیب کے قیام و بقا کے لئے یہ ضروری ہے کہ مختلف اشخاص کے مختلف اخلاق و اوصاف عالیہ جماعت میں نشوونما پاتے رہیں تاکہ جماعت کا اجتماعی مزاج اعتدال سے بجا و نہ نہ کر جائے۔ جماعت زندگی کے ہر شعبہ میں ترقی کر سکے اور اس کا یک مرکز یک طرفہ ہو کر نہ رہ جائے۔ تاریخ شاہد ہے کہ آمریت جماعت کو جس سرعت کے ساتھ ایک ناپائیدار رخا ہری ترقی کی طرف لے جاتی ہے اس سے وہ چند زیادہ سرعت کے ساتھ وہ اس کو منزل وادبار کی طرف لے جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ جماعت کے اجتماعی مزاج کو غیر مستدل بنا کر اس کی اخلاقی و فکری بنیادوں کو کھوکھلا کر دیتی ہے اس لئے اس کی ترقی ہی اس کے منزل وادبار کا سبب بن جاتی ہے بلکہ درحقیقت اس کی ترقی تنزل بصورت ترقی ہوتی ہے اور اس کا عروج بالکل اس سرخی کی طرح ہوتا ہے۔ جو مریض دق کے چہرے پر نمایاں ہو جاتی ہے اور تدارک کو افزائش قوت و تندرستی کا فریب دیتی ہے۔

مزید یہ کہ امر ہمیشہ ایسے افراد کو ابھرنے سے روکتا رہتا ہے جو اپنی قابلیت کی وجہ سے اس کے مد مقابل ہو سکتے ہوں۔ اس طرح ایک طرف تو افراد میں اپنی فطری قوتوں کو نشوونما دینے کا جذبہ دب جاتا ہے اور دوسری طرف جماعت ایسے اشخاص کی اعلیٰ صلاحیتوں کے فوائد سے محروم رہتی ہے۔ اس کے علاوہ اس کا عروج وادبار بالکل اس کے مقابل ہو جاتا ہے۔

اس لئے آمریت میں نظام مدل کا قیام ناممکن ہو جاتا ہے۔

جمہوریت دنیا کے سیاسی نظریوں میں جس قدر پُر فریب اور پُر تبلیغی نظریہ جمہوریت ہے اس قدر کوئی بھی نہیں۔ بغاوت ایک جنت ہے جس میں خوف اور حزن کا نام و نشان بھی نہیں جس میں شخصی آزادی کی حفاظت ہوتی ہے جس میں انسانیت کی قدر و قیمت پہچانی جاتی ہے اور جس میں غربت و امارت کا کوئی سوال باقی نہیں رہتا لیکن جب اس کے باطن پر نظر کی جائے تو یہ ایک جہنم نظر آتی ہے جس میں تکالیف اور پریشانیاں بھری پڑی ہیں جس میں انسانیت کو کندھری سے ذبح کیا جاتا ہے جس میں شخصی آزادی کا گلا گھونٹ دیا جاتا ہے اور جس میں غریب و کمزور کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ جمہوریت کے سب معائب کو یہاں مفصل طور پر بیان کرنا مشکل بھی ہے اور غیر ضروری بھی۔ چند خرابیاں ذیل میں درج کی جاتی ہیں جن سے اس فردوسِ نادر و زخ کی حقیقت معلوم کی جاسکتی ہے۔

۱۔ جمہوریت کا طرہ امتیاز یہ ہے کہ اس میں اجتماعی ارادہ (GENERAL WILL) کی فرمانروائی کو تسلیم کیا جاتا ہے لیکن یہی چیز جمہوریت کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ اجتماعی ارادہ کسی مستقل اور پائیدار چیز کا نام نہیں بلکہ ایک بڑی لوچدار چیز ہے جو ہر پرزور چیز سے دباؤ کھا کر اپنی شکل بدل دیتی ہے اس کو دھوکہ دیا جاسکتا ہے۔ اس کو لالچ دیا جاسکتا ہے۔ اس کو مشتعل کیا جاسکتا ہے اور اس کو بعض اوقات نہایت معمولی اسباب بھی متغیر کر دیتے ہیں۔ ایسی غیر مستقل چیز پر جس مملکت کی بنیاد رکھی جائے اس میں نہ تو استقلال و پائیداری پائی جاسکتی ہے نہ وہ انسان کے لئے مفید ہو سکتی ہے۔

۲۔ اجتماعی ارادہ کا ادبی، اخلاقی اور نفسیاتی تاثرات سے متاثر ہونا یقینی ہے۔ ایسی حالت میں ریاست کے لئے کوئی مستقل اخلاقی معیار اور قانون کے لئے کوئی پائیدار اخلاقی بنیاد نہیں رہتی۔ اگر جمہور کے اندر برے میلانات نشوونما پانے لگیں تو مملکت اور قانون دونوں خود جمہور اور ان کے میلانات ہی کے تابع ہو جاتے ہیں۔ اس کا نتیجہ ظاہر ہے۔ باشندے اگر تباہی کی جانب ایک قدم چلتے ہیں تو ریاست ان کو بہت قدم دھکیلتی ہے۔ اس طرح انسانیت کی تباہی و بربادی کا راستہ ہموار ہو جاتا ہے۔ اصل کی تاریخ اور آج کا مشاہدہ اس چیز کو واضح

کرنے کے لئے کافی ہے کہ بد اخلاقی اور برکداری نے جمہوریتوں کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ کس طرح ترقی کی ہے اور جمہوریتوں نے کس طرح ان کو ترقی دینے میں امداد و اعانت کی ہے۔ پھر کس طرح یہ بد اخلاقیات قوموں کی تباہی و بربادی پر منتج ہوئی ہیں۔ واقعہ صرف یہی نہیں کہ جمہوریت اخلاق عامہ کے بگڑ جانے کے بعد ان اخلاق کی اشاعت و اعانت کرتی ہے بلکہ یہ بھی حقیقت ہے کہ خود جمہوریت اخلاق عامہ کی تباہی و بربادی اور ان کی خرابیوں کو وجود میں لانے کا بہت بڑا سبب ہے اس لئے کہ جمہوریت میں دراصل اخلاق کا کوئی مستقل معیار ہی نہیں رہتا جس کو سامنے رکھ کر جماعت یا افراد میں اخلاقی حس پیدا کی جائے جمہور کی رائے کو اخلاق کا معیار قرار دے کر یہ امید رکھنا کہ جماعت میں اخلاق حسنہ باقی رہیں گے۔ بخت نادانی ہے۔ سوسائٹی کی شرم انسان کو باہر اور کھلم کھلا بد اخلاقیوں سے کسی نہ کسی حد تک روک سکتی ہے لیکن خلوت میں روکنے سے وہ قطعاً قاصر ہے۔ پھر ہوتا یہ ہے کہ تخلیق میں بد اخلاقیوں کا ارتکاب جب ایک معتد بہ جماعت کرتی ہے تو رفتہ رفتہ یقینہ جماعت بھی اس سے متاثر ہوتی ہے اور مخفی لظیفین کی قوت خود بخود کمزور ہو جاتی ہے۔ آخر کار جمہور کے نزدیک بھی اس فعل میں کوئی شناعت باقی نہیں رہتی۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بد اخلاقی خوش اخلاقی بن کر ریاست کی اعانت و امداد حاصل کر لیتی ہے اور اس کے زیر سایہ پھل بھول کر دوسرے معائب و جنابٹ کو پیدا کرنے کا سبب بنتی ہے۔

(۳) جماعتی تعصب اور گردہ بندی جمہوریت کے لئے ایک لازم اور ضروری چیز ہے اس مہلک مرض کا اثر یہ ہوتا ہے کہ حق کوئی و حق پسندی کا وصف لوگوں میں بالکل مفقود ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں قوم کی اخلاقی تباہی یقینی ہے۔ پھر یہی چیز جماعتی استیلا اور اکثریت کے ظلم پر منتج ہوتی ہے جو جمہوریت کی بدترین خصوصیت ہے۔

(۴) قانون سازی کے اختیارات جمہوریتوں میں درحقیقت صرف برسرِ اقتدار جماعت کے ہاتھ میں ہوتے ہیں اگرچہ بظاہر ریاست کی سب جماعتیں قانون سازی میں حصہ لیتی ہیں۔ پھر اس معتد بہ جماعت میں بھی جماعتی نظم کا دہانہ ہر ایک کے منہ پر چڑھا ہوتا ہے جس کی وجہ سے حق کا دم ان کے حلق میں گھٹ کر نکل جاتا ہے۔ اس میں اور آمریت میں کچھ فرق نہیں

باقی رہتا اور جمہور کا نام محض ایک فریب اور دھوکہ ثابت ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ برائے اقتدار جماعت آخراںوں کی جماعت ہوتی ہے، فرشتوں کی جماعت نہیں ہوتی۔ اس کے وضع کئے ہوئے قوانین پر اس کے ذاتی رجحانات و تقصبات کا اثر پڑنا لازم ہے۔ ایسی صورت میں عدل و انصاف کا معیار اس جماعت کے مفاد کے علاوہ کچھ نہیں رہ جاتا۔ پھر یہ معیار بھی قطعاً غیر مستقل ہوتا ہے۔ جب دوسری پارٹی برسرِ اقتدار ہوتی ہے تو معیار اور نقطہ نظر تبدیل ہو جاتا ہے۔ ان حالات میں شہریوں اور سیاست دونوں کو "اسن و عیش" کہاں نصیب ہو سکتا ہے جب کہ ہر وقت "جرس"۔ بر بند بدمعشا کی آواز بلند کر رہا ہو۔

طاقت وراور برسرِ اقتدار جماعت حزب مخالف کو ہر ممکن طریقہ سے دبانے کی کوشش کرتی رہتی ہے اور اس کا ردِ عمل یہ ہوتا ہے کہ مخالف پارٹی بھی اول الذکر کی مخالفت میں لڑی چوٹی کا زور لگاتی ہے۔ اس وجہ سے جمہوریوں میں باہمی تفرقہ کی آگ برابر لگتی رہتی ہے اور اس کا خاندان جنگی اور دیگر مہلک نتائج کی طرف منہر ہونا بائید نہیں ہوتا۔

(۶) اجتماعی ارادہ چونکہ ایک تغیر پذیر شے ہے اس لئے جمہوریتیں کبھی مستقل اور پائیدار اصول پر منب جلتیں بلکہ ان میں سمون اور ابن الوقتی کی شان پائی جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نہ دوست ان پر اعتماد کر سکتے ہیں نہ دشمن۔ ان کے ساتھ معاملہ کرتے وقت کوئی بھی یہ بھروسہ نہیں کر سکتا کہ آج ان کی جو پالیسی ہے کل بھی وہی قائم رہے گی۔

(۷) اگر جمہوریت نظام سرمایہ داری کے ساتھ مخلوط ہو تو یہ ناگزیر ہے کہ حکومت و فرمانروائی صرف سرمایہ دار طبقہ کے قبضہ میں آجائے اور غربا کی قسمت میں ابدی محن و غلامی لکھ دی جائے کیونکہ جمہوریت میں اقتدار اس جماعت کو حاصل ہوتا ہے جس کے پاس بڑے بینکڈے کے ذرائع زیادہ ہوں اور ظاہر ہے کہ یہ چیز دولت مندوں کو غریبوں کی بہ نسبت زیادہ میسر ہو سکتی ہے اور ہوتی ہے چنانچہ مشاہدہ ہمارے اس بیان کی تائید کر رہا ہے۔ انگلستان میں جمہوریت کی محبت میں درجہ جنون سے بھی آگے بڑھ گیا ہے۔ محض سرمایہ دار طبقہ کی فرمانروائی ہے۔ یہی حال امریکہ ہندوستان اور دوسرے جمہوری

(۸) ہر غیر اسلامی نظریۂ سیاسی خصوصاً جمہوریت کا ایک خاصہ یہ بھی ہے کہ اس کے ادھر جس ریاست کی بنیاد رکھی جائے اس کی پالیسی کا محور صرف معاشیات کو بنانا پڑتا ہے۔ یہ ایک لازم اور ضروری چیز ہے جس سے کسی جمہوریت کو مفر نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تجارتی ارادہ جو جمہوری ریاستوں کا طاغوت مسجود ہے۔ انفرادی ارادوں کے اجتماع سے وجود میں آتا ہے اور انفرادی ارادے جب خدا کی بندگی سے آزاد ہوں تو ان کا انتخاب مقرر صرف مطالبات نفس و بدن کو پورا کرنا ہوتا ہے جو معاشیات کا سرچشمہ ہے اس لئے ہر جمہوریت اس پر مجبور ہے کہ وہ معاش مسائل کو اولیت اور اولویت کا درجہ دے اور دوسرے مسائل کو صرف ان کے تابع سمجھے، زندگی کے ہر شعبہ کو معاشیات کے تابع کر دینے کا لابدی نتیجہ وہ حیوانیت و بہیمیت ہے جس کا مشاہدہ آج دنیا کے اکثر حصہ میں ہو رہا ہے اخلاقی حس کی موت خدا سے بے نیازی بلکہ بے ناری، مادہ پرستی کا غلبہ، یہ سب چیزیں ہی شکم پرستی اور عبدیت حرص و ہوس کے ضروری اور لابدی نتائج ہیں جن سے نجات اس وقت تک ناممکن ہے جب تک کہ جمہوریت کا وجود دنیا میں باقی ہے اور جب تک معاشیات کے بت کی پرستش اس عالم میں جاری ہے۔ مشہور ملحد جوزف اسٹالن نے بالکل سچ کہا ہے کہ لوگوں کو مذہب و روحانیت سے بیگانہ اور متفرغ بنانے کا بہترین ذریعہ یہ ہے کہ ان کو معاشیات کی جانب زیادہ سے زیادہ متوجہ کر دیا جائے۔

معاشیات کے غلبہ کا دوسرا ضروری اور لابدی اثر یہ ہوتا ہے کہ جمہوریت کے ساتھ سرمایہ داری کا ناقابل انقطاع رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج دنیا میں ہر جگہ نظام سرمایہ داری اور نظام جمہوری ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں۔ یہ قطعاً ناممکن ہے کہ کسی ملک میں نظام سیاسی جمہوری ہو اور نظام معاشی سرمایہ داری کے علاوہ کچھ اور ہو اس لئے کہ جمہوریت کے معاملہ میں ذیل کی دو صورتوں میں سے کوئی ایک صورت بہر حال ہوگی۔ اول یہ کہ جمہوریت کے قیام سے پیشتر نظام سرمایہ داری موجود ہو اس صورت میں یہ یقینی ہے کہ برسر اقتدار جماعت یا تو خود سرمایہ دار ہوگی یا کم از کم سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں کھڑی کی طرح ہوگی اور مشاہدہ اس کی

تائید کرتا ہے۔ چنانچہ انگلستان کے جمہوری نظام میں بینک آف انگلینڈ کے ڈائریکٹر اور وزیرِ اعظم انگلستان کی پوزیشن بالکل یکساں ہے بلکہ دستوری قانون کے ماہرین کی ایک بہت بڑی جماعت ڈائریکٹر کے عہدے کو وزیرِ اعظم کے عہدے سے اہم تر خیال کرتی ہے۔ اسی طرح فرانس کے بینک کا ڈائریکٹر فرانسیسی حکومت پر اس طرح حاوی رہتا ہے کہ حکومت اس کے اشارہ و جھنڈے کے خلاف کچھ بھی نہیں کر سکتی۔ حکومت اگر اس سے نہیں نباہ سکتی تو اس کو مستعفی ہونا پڑتا ہے۔ چنانچہ جو لوگ فرانسیسی تاریخ پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ فرانسیسی کا بینہ حکومت میں روز بروز کے تغیرات و انقلابات کس حد تک اسی بینک کے رہن منت رہتے ہیں۔ امریکہ میں حکومت پر یہود اپنے متول کی وجہ سے باوجود اقلیت میں ہونے کے چھائے ہوئے ہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ جمہوریت کے قیام کے وقت نظام معاشی سرمایہ دارانہ نہ ہو بلکہ کوئی اور مثلاً اشتراک ہو۔ ایسی صورت میں یہ لازم ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد نظام معاشی رفتہ رفتہ متغیر ہو کر سرمایہ دارانہ ہو جائے۔ اس لئے کہ اس صورت میں جو جماعت بھی جمہوریت میں برسرِ اقتدار ہوگی وہ سرمایہ پر پورا قبضہ رکھے گی اور اس میں ایسے تصرفات کرے گی جو اس کے مفاد کے مناسب ہوں اگر شخصی سرمایہ داری نہ بھی ہو تو جماعتی سرمایہ داری تو یقینی ہے جو شخصی سرمایہ داری سے بھی زیادہ مضر ہے۔

اس خالص معاشی ریاست و سیاست کے تباہ کن اثرات کا احاطہ مشکل ہے۔ اس سے جو اخلاقی بربادی ہوئی ہے وہ بیان سے باہر ہے لیکن اس کا ایک نتیجہ عجیب و غریب ہوتا ہے جس کا تذکرہ خالی از دلیلی نہ ہو گا یعنی یہ خود اس جمہوری مملکت کو بھی خطرے میں مبتلا کر دیتی ہے جو اس کو وجود عطا کرتی ہے۔ قارئین کا غلبہ انسان سے انسانیت کا جو ہر سلب کر لیتا ہے۔ ایک سرمایہ دار کو صرف سرمایہ عزیز ہوتا ہے نہ اس کو قوم کی پروا ہوتی ہے نہ ملک نہ جماعت کی۔ وطنیت و قومیت کے وہ تصورات جن پر عواما جمہوریت کی بنیاد قائم ہوتی ہے سرمایہ دار کے ذہن سے قطعاً محو ہو جاتے ہیں اور وہ ہر اس چیز کی اعانت و امداد کرتا ہے جو اس کی مصلحت ہو۔

کے نتیجے میں مملکت، ملک، قوم سب تباہ و برباد ہو جائیں۔ انگلستان کا مشہور اہل قلم جان گتھر اپنی کتاب "باطن یورپ" INSIDE EUROPE میں لکھتا ہے۔

”فرانسیسی سپاہی کے سینہ میں جرمنی کی جانب سے جو گولی آکر لگی ہے بہت ممکن ہے کہ فرانس ہی کے کسی کارخانہ کی بنی ہوئی ہو۔“

(۹) اجتماع کے وجود میں آنے کے دو سبب ہوتے ہیں۔ کوئی عقلی اصول جو پوری جماعت کا مقصد و سطح نظر ہو جائے اور مقصد و عقیدے کی ہم آہنگی جس کو وحدت کلمہ بھی کہتے ہیں پوری جماعت کو مجتمع کر دے یا کوئی خاص جذبہ جو افراد میں ہم آہنگی پیدا کرے ان میں ایک ہیئت اجتماعیہ پیدا کرے۔ جمہوری ریاست میں چونکہ اصول کا معیار خود اجتماع ہے۔ اس لئے اس کے سامنے کوئی ایسا مستقل عقلی اصول و قانون نہیں ہوتا جو افراد میں ہیئت اجتماعیہ پیدا کر کے جمہوریت کے وجود میں آنے کا سبب بنے۔ لہذا یہ لازم ہے کہ اس میں اجتماع کی بنیاد عقلی کے بجائے محض جذباتی ہو جس کے مندرجہ ذیل نتائج یقینی ہیں۔

الف: جماعت میں عقلیت کے بجائے جذباتیت پیدا ہو جاتی ہے جس سے اس کے قوائے عقیدہ و عز و کرم و زور ہوتے جاتے ہیں، نہ اس کا فکری نظام صحیح رہتا ہے نہ اخلاقی اور رفتہ رفتہ وہ حیوانیت اور ہیمنیت کے درجہ پر پہنچ جاتی ہے۔

ب: جذبات میں استقلال نہیں ہوتا۔ اس لئے یہ اجتماع بھی سخت متلون اور سیلاب روش ہوتا ہے۔

(۱۰) جمہوریت میں ایک جماعت محض اس بنا پر دوسری جماعت پر صاحب اقتدار بنائی جاتی ہے کہ وہ ثانی الذکر سے تعداد میں زیادہ ہے۔ یہ چیز جس قدر عدل و انصاف کے خلاف ہے وہ ظاہر ہے عقل سلیم کسی صورت سے بھی یہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہو سکتی کہ محض تعداد کی اکثریت حکمرانی اور فرمانروائی کا حق پیدا کر دیتی ہے بلکہ اس کے ساتھ ان شرائط کا تعاقب کرتی ہے جو اسلام نے لگائے ہیں۔

فتلک عشرۃ کاملۃ